دینی مدارس
اور اُن کا نصاب تعلیم
تالیف
فقیہ العصر حضرت مولانا
مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی
نور اللہ مرقدہ
www.alhaqqania.org

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

دینی مدارس اور ان کا نصاب تعلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین اسلام اور اس کی تمام تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہی ہے مگر چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت بھی نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی ہے جس تک رسائی انسانی قویٰ کے لیے محال ہے اس لیے قرآن مجید کی مراد کا بیان کرنا حسب ارشاد ربانی لتبیین للناس مانزل الیھم (تاکہ آپ بیان کردیں اس کو جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمادیا گیا، آپ کے بیان کے بغیر مراد خداوندی کا یقینی علم حاصل نہیں ہوسکتا اس لیے قرآن فہمی اور مراد خداوندی پر اطلاع کے لیے حدیث رسول کی بھی ضرورت ہے۔

پھر چونکہ فقہ قرآن وحدیث سے حاصل شدہ مسائل کا نام ہے محض تخیلات انسانی اور ذاتی قیاس آرائی کا نام نہیں ہے جیسا کہ غلط فہمی سے سمجھ لیا جاتا ہے اس لیے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے لیے علم فقہ بھی ضروری ہوا، غرضیکہ قرآن

مجید میں جس تفقہ فی الدین (دین میں سمجھ پیدا کرنا) کو لیتفقھوا فی الدین (تاکہ وہ دین میں خوب سمجھ پیدا کریں) میں امت پر فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ میں ایسے افراد امت میں ضرور موجود ہوں جن کو تفقہ کا یہ درجہ حاصل ہو، تفقہ کا درجہ ان مذکورہ تینوں علوم میں مہارت وحذاقت حاصل کیے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا اس لیے امت پر فرض ہے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق تعلیم ایسا نظم قائم رکھے جس سے ان تینوں علموں میں مہارت حاصل ہو کر تفقہ کا وہ درجہ حاصل ہوسکے جس کا باقی رکھنا امت پر فرض کفایہ ہے، تعلیم کا ایسا انتظام کیے بغیر امت اس فرض کفایہ سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب درس نظامی کے نام سے رائج ہے اس میں اگرچہ تقریباً بیس علوم اور فنون کی کم وبیش ستتر کتابیں شامل ہیں اور ان کی تعلیم کو نہایت مفید ومناسب ترتیب کے ساتھ دس سالوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے مگر ان میں بھی حدیث وتفسیر، قرآن اور فقہ کی کتابیں ہی اصل مقصود ہیں اور باقی دوسرے علوم وفنون کی کتابیں ان تینوں علموں کی معاون ومددگار ہیں اگرچہ بعض کو سطحی نظر سے بعض کتابوں کا علوم دینیہ سے تعلق ظاہر نہیں ہوتا، غور سے دیکھا جائے تو درس نظامی کی سب کتابوں کو ان علوم مقصودہ سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق حاصل ہے۔

اسلامی حکومت میں مدارس کا نصاب

واضح رہے کہ اسلامی حکومت میں سب سے پہلا مدرسہ مسجد نبوی کے

اندر قائم ہوا، اس کا نصاب بھی قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم ہی تھا قرآن کریم کی تعلیم سے تعلم کا سلسلہ شروع ہوا، جو تمام اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ ہے، اصحاب صفہ کا حلقہ درس قائم ہوا جس میں ایک شخص قرآن پڑھتا تھا اور حلقہ کے دوسرے حاضرین اسے توجہ سے سنتے اور یاد کرتے تھے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن کے علاوہ تعلیم کتاب کے منصب پر فائز تھے، جو الفاظ کے معانی اور بیان احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حدیث وفقہ کی تعلیم تھی۔

جوں جوں اسلام کی اشاعت کا سلسلہ پھیلتا گیا یہ سلسلہ تعلیم قرآن وسنت مع فقہ کے وسعت پکڑتا گیا کیونکہ قرآن وسنت کی تعلیم کے معنی ہی فقہ کی تعلیم ہے اس لیے کہ فقہ ان احکام کا نام ہے جو قرآن وسنت سے اخذ کیے جاتے ہیں، تو اب قرآن وسنت کی تعلیم کا مطلب صرف قرآن وسنت کے الفاظ کی تعلیم نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن وسنت سے مسائل واحکام کا استنباط واخذ کرنا ہے یہی فقہ کی تعلیم ہے نہ معلوم فقہ کے نام سے محض لوگوں کے اذہان کیوں اجنبیت محسوس کرنے لگے ہیں غرضیکہ ہر جگہ عمال کے ساتھ مستقل معلمین بھی بھیجے جانے لگے جنہوں نے مفتوحہ علاقوں میں مکاتب جاری کرکے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا، جن میں صرف قرآن مجید اور حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی اس دور میں مسجدیں تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں، مفتوحہ علاقوں میں جہاں کہیں مدرسہ کی ضرورت پیدا ہوتی وہاں نئی مسجد بنادی جاتی تھی۔ پانچویں صدی

ہجری سے تعلیم کے لیے مسجدوں سے الگ مستقل عمارتیں بنائی گئیں، ان عمارتوں کے ساتھ اساتذہ اور طلباء کے لیے اقامت گاہیں یعنی ہاسٹل بھی تعمیر کیے گئے، اہل علم کے لیے تنخواہیں اور طلباء کے لیے وظائف کا تقرر ہوا ان مصارف کے لیے بڑے بڑے اوقاف قائم کیے گئے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک دینی نصاب تعلیم کی یہ خصوصیت اپنی جگہ پر قائم چلی آرہی ہے اس میں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور دوسرے علوم فنون کو ان بنیادی علوم کے تابع بنا کر مبادی کے طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔

ہندوستان میں مدارس کا قیام

ہندوستان میں دینی مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت ''تاریخ فرشتہ'' کی رو سے ناصرالدین قباچہ نے مولانا قطب الدین صاحب کاشانی کے لیے ملتان میں بنوائی تھی جس میں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ نے تعلیم حاصل کی تھی (از نبوی نظام تعلیم)

اس کے بعد ہندوستان میں دینی مدارس کا یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا دینی مدارس کی کفالت کے لیے بڑی بڑی زمینیں وقف ہوتی تھیں، علاوہ ازیں حکومت وقت بھی ان کی کفالت کے لیے خصوصی انتظام کرتی تھیں اس لیے اس زمانہ میں چندہ کا موجودہ سسٹم رائج نہیں تھا بالآخر سلطنت مغلیہ کے زوال سے ہمارا یہ

صدیوں پرانا نظام تعلیم بھی برباد ہوگیا، سلطنت برطانیہ نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد قرآن وحدیث اور فقہ سے جاہل رکھنے کے لیے اپنا ایک نیا نصاب تعلیم ملک کو دیا، جس کی ابتداء بلی کتے کی کہانیوں سے ہوتی تھی جس سے طفلانہ دلچسپی کے سوا کوئی اخلاقی تعمیر سیرت کا فائدہ نہیں ہوا، البتہ انگریز نے جس نقطۂ نگاہ کے پیش نظر اس نصاب کو جاری کیا تھا اس میں وہ کامیاب ہوگیا، کہ اکثر نوجوانوں کے دلوں سے احترام مذہب جاتا رہا اور وہ اعلانیہ مذہب کے لغو اور بے کار ہونے کا اظہار کرنے لگے، مذہب سے بیگانگی اور لاتعلقی اس نصاب کا خاصۂ لازمہ تھا جو شخص اس سے بچا وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور زیادہ تر اپنے ماحول اور پرانے طرز تعلیم کے اثرات کی وجہ سے بچا رہا۔

علماء کرام نے جب یہ دیکھا کہ سرکاری مدارس کے نصاب تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے بیگانہ اور برگشتہ کیا جا رہا ہے تو انہوں نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیوبند کی بنیا درکھ کر اس میں وہی قدیم نصاب تعلیم رائج کردیا، دیوبند کے ساتھ ہی دوسرے مختلف شہروں سہارنپور، مرادآباد وغیرہ میں بھی ایسی ہی دینی درس گاہیں قائم کی گئیں اور ان میں بھی یہی درس نظامی رائج کیا گیا جو اب تک پاک وہند کے دینی مدارس میں رائج چلا آرہا ہے غرضیکہ یہ نصاب برس ہابرس سے دینی مدارس میں رائج اور عرصہ دراز سے تجربہ میں آرہا ہے اس لیے اس نصاب کے بارہ میں بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا

جا سکتا ہے کہ دینی علوم قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کے اندر مہارت پیدا کرنے کے لیے یہ نصاب بے نظیر ہے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اس کا ثانی اور بدل دوسرا نصاب کوئی نہیں ہوسکتا۔

گزشتہ صدی کے وہ تمام علماء اور صلحا جنہوں نے اس نصاب کے ذریعہ اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزار دی اس نصاب کے کامیاب اور مفید ہونے کی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، چنانچہ پاک وہند میں جس قدر علماء دین ہوئے ہیں جن کے علم وفضل پر سب کو اعتماد رہا ہے وہ کم وبیش اسی نصاب کے ذریعہ علم وفضل کے اس بلند مقام پر فائز ہوئے ہیں، ماضی قریب میں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ کے چند اسماء گرامی ''نمونہ مشتے از خروارے'' کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں، متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم وفضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک وہند میں دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ پوری دنیائے اسلام میں بھی بہت ہی کمیاب ہے، اس درجہ کے علم وفضل کا حاصل ہونا اسی نصاب کا مرہون منت ہے، جس کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ہے اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔

حلب شام کے مدارس العلمیہ کے مدیر الشیخ عبدالقادر نے ۱۳۴۵ھ میں جب ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو دیوبند اور سہارنپور بھی تشریف لائے تھے مظاہر علوم سہارنپور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ "یہاں کے علماء میں جو استعداد اور قابلیت حاصل ہوتی ہے وہ ہمارے مدارس کے فاضل علماء میں نہیں ہوتی اس لیے میں یہاں کا طرز تعلیم دیکھنے آیا ہوں" (از دینی مدارس)

عربی زبان میں لکھنا پڑھنا اور عربی دانی کی وجہ سے سطحی انداز میں بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر لینا اور پڑھ لینا اور بات ہے اور دقیق نظر سے عمق و گہرائی میں سے مطلب وحقیقت کا ادراک کر لینا بالکل دوسری چیز ہے یہ بات اسی درس نظامی کی کتابوں کو محنت وترتیب کے ساتھ پڑھنے کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

"صدیوں کا تجربہ یہی بتلا رہا ہے اور دوسرے مما لک اسلامیہ کے علماء بھی دوسرے مروجہ نصابوں پر اس نصاب کی برتری کے قائل ہو چکے ہیں اب اگر دینی مدارس میں یہی نصاب باقی اور زیر درس رہے گا تو اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ زمانہ ماضی کی طرح کے ممتاز قابلیت کے علماء تیار ہوتے رہیں گے ورنہ استعداد علمی کے لحاظ سے جو حال دوسرے مدارس کے تعلیم یافتہ علماء کا مشاہدہ میں آرہا ہے وہی حال ان دینی مدارس کے فضلاء کا بھی ہونے لگے گا"۔

ایک ایسے نصاب کے بارہ میں ترمیم وتبدیلی کا مشورہ نہ معلوم کس مقصد کے لیے دیا جارہا ہے جس کی افادیت وجامعیت کا برسوں سے تجربہ ہو چکا ہے اور دینی مقاصد کے حصول میں وہ نصاب بے حد وحساب مفید ثابت ہورہا ہے؟ ترمیم وتبدیلی کی ضرورت ایسی صورت میں تو قابل غور ہوسکتی تھی کہ اس موجودہ نصاب سے وہ مقاصد حاصل نہ ہوتے جن کے حصول کے لیے دینی مدارس کا قیام ضروری ہے، اس کے علاوہ ہمارے سامنے ایسے مدارس عربیہ کی مثالیں موجود ہیں جن میں دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے درس نظامی میں ترمیم کرکے زمانہ حاضرہ کی بعض ضروریات کی تحصیل کے لیے بعض نئے فنون کی کتابیں داخل نصاب کردی گئی ہیں، اس کا تجربہ مدرسہ عالیہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی ہو چکا ہے اور ندوۃ العلوم لکھنؤ کا تو قیام ہی دینی اور دنیوی مقاصد کی تحصیل کے لیے ہوا تھا، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی مقاصد غالب آگئے اور دینی مقاصد مغلوب ہوکر رہ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایسے نصاب کے ذریعہ دینی علوم کے ماہر معیاری ایسے علماء تیار نہیں ہوسکے جس طرح سے درس نظامی سے تیار ہوتے رہے ہیں۔ پھر یہ نصاب کوئی وحی نہیں ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کی تبدیلی نہ ہوسکتی ہو، یہ صرف ایک تجرباتی چیز ہے، اگر دینی مدارس کے اصل مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی تبدیلی کی جائے جس سے مطلوبہ مقاصد میں کسی قسم کے خلل کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

لیکن ماضی کے تجربوں کے نتائج سے تو یہی ثابت ہورہا ہے کہ درس نظامی کے اندر تبدیلی کے بعد دینی مدارس کے مطلوبہ مقاصد پوری طرح ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔

دینی مدارس کا اصل مقصد

دینی مدارس کا اصل مقصد قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ، دینی علوم میں کامل مہارت کا پیدا کرنا اور دین میں تفقہ کا معیاری درجہ حاصل کرنا ہے اور اس معیاری علم کے حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت اور یکسوئی کی ضرورت ہے، شب وروز تحصیل علم میں اشتغال وانہماک کے بغیر معیاری درجہ کا علم حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اکتساب علم کے زمانہ میں اگر معمولی سی بھی بے توجہی اور بے خیالی سے کام لیا گیا تو پھر وہ مطلوبہ مہارت اور تفقہ کا درجہ حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس لیے ماہر اور تجربہ کار علماء دین نے طلباء علوم دین کے لیے علم کے اکتساب وتحصیل کے زمانہ میں کسی ایسی چیز کی جانب توجہ کرنے کو سخت مضرت رساں سمجھا ہے جس سے طالب علم کی توجہ طلب علم سے ہٹ کر دوسری کسی جانب لگ جانے کا احتمال ہو، اور اکتساب علم میں خلل انداز ہونے کا اندیشہ ہو، یہاں تک کہ طلب علم کے زمانہ میں تصوف وسلوک کے ایسے خاص اشغال ووظائف سے بھی روکا ہے جن

کے لیے توجہ اور وقت درکار ہوتا ہے کیونکہ ان امور کی طرف متوجہ ہونے سے طلب علم میں کمی کا اندیشہ ہوتا ہے اور عقل و تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک وقت میں دو کاموں کی طرف پوری توجہ نہیں کی جا سکتی۔ جب دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم و فنون بھی حاصل کیے جائیں گے تو توجہ تقسیم ہو کر یکسوئی فوت ہو جائے گی اس طرح علوم دینیہ میں کمال اور مہارت پیدا کرنے کی طرف پوری دلچسپی باقی نہیں رہ سکتی اور دینی مدارس کے قیام کا مذکورہ اصل مقصد کما حقہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے نصاب کے داخل کرنے کی مضرت

عالم دین کے لیے منشی فاضل، مولوی فاضل وغیرہ کے امتحان کو بھی اسی لیے ماہرین علوم دینیہ نے پسند نہیں کیا تھا کہ پھر وہ سکولوں کی تلاش اور وہاں کے محدود نصاب کی تعلیم میں مشغول ہو کر اپنی علمی استعداد اور اس میں روز افزوں ترقی کے مواقع سے محروم ہو جائے گا۔ اس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ دینی مدارس کے ذی استعداد فضلاء نے سرکاری امتحان دے کر اپنی تمام عمر سرکاری سکولوں میں گزار دی اور اس طرح اپنی علمی استعداد اور قابلیت کو وہاں کے محدود نصاب میں گم کر دیا، اگر وہ دینی مدارس میں کام کرتے تو یقیناً ان کی استعداد و قابلیت کہیں زیادہ ترقی کر جاتی اس تجربہ کے خلاف کوئی شاذ و نادر ہی مثال مل سکے گی۔

سرکاری مدارس کا نصاب

پاکستان بننے کے بعد بجا طور پر امید تو اس بات کی کی جارہی تھی کہ انگریزی زمانہ کی یادگار نظام تعلیم وتربیت کو بدل کر ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے گا جو اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگا اور صرف کلرک پیدا کرنے کی بجائے اس سے صاحب سیرت وکردار مسلمان پیدا ہوا کریں گے جن سے ملک وملت کی تعمیر وبقاء کا کام لیا جا سکے گا، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تیس سال کا عرصہ گزر گیا یہ امید پوری نہیں ہوسکی اور سابقہ حکومتوں نے سرکاری مدارس کے نصاب کو اسلامی اور ملکی تقاضوں کے مطابق بنانے کی ضرورت کا احساس ہی نہیں کیا اور انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود اس نصاب کی صورت میں لارڈ میکالے کی روح بدستور اپنا کارنامہ انجام دے رہی اور اپنا وہ مقصد حاصل کر رہی ہے جو اس نصاب سے اس کا مقصود تھا کہ خون اور رنگ کے پاکستانیوں کا مذاق رائے، الفاظ اور سمجھ بوجھ بدستور سابق انگریز ہی رہے، یہی وجہ ہے کہ اس نصاب کے پروردہ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ تعلیم وترقی کے اس دور میں دینی مدارس کا کیا فائدہ ہے؟ اور یہ بات ان کی انگریزی سمجھ بوجھ میں ہی نہیں آتی کہ دینی مدارس کے ذریعہ پیدا ہونے والے خالص ملا سے بھی ملک وملت کی بقاء اور تحفظ اسلام کا فریضہ انجام پا رہا ہے، اور یہ کہ ان ملاؤں کے پیدا کرنے والی درس گاہوں کا وجود بھی ملک وملت کیلئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دوسرے مروجہ علوم وفنون کی درس

گاہوں کا ملک میں ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

جس طرح دنیا کی موجودہ حکومتوں نے اپنے اپنے ماہرین تعلیم کے مشوروں کے مطابق تعلیم کے مختلف شعبوں ڈاکٹری، انجینرنگ اور قانون وغیرہ کی تعلیم کے لیے الگ الگ کالج قائم کیے ہوئے ہیں اور سب شعبوں کے لیے تعلیم کا یکجا انتظام ممکن نہیں اور نہ ہی ہر شخص کے لیے ہر شعبہ میں تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے بلکہ جس شخص کو جس شعبہ اور فن کے ساتھ طبعی مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے وہ اپنے پسند کے کالج میں داخلہ لے لیتا ہے اور کسی کو بھی اس پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ تم نے ایک ہی کالج اور ایک ہی شعبہ میں تعلیم کیوں حاصل کی سب کالجوں اور تمام شعبوں میں داخلہ لینا اور تمام فنون کی تکمیل کرنی ضروری ہے ورنہ تمہاری تعلیم ناقص رہے گی۔ باوجودیکہ ڈاکٹری میں ڈگری حاصل کی ہے مگر پھر بھی اس لیے ناقص کہلاؤ گے کہ لاء کالج وغیرہ سے ڈگری حاصل نہ کر سکے۔

اس اعتراض نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ملک میں جس طرح ماہر قانون وکلاء کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اسی طرح قابل ڈاکٹروں وغیرہ وغیرہ کی بھی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور ہر شخص کے لیے یہ بات مشکل ہے کہ وہ ڈاکٹری اور قانون دونوں شعبوں میں مہارت حاصل کر سکے اور پھر دونوں شعبوں میں خدمات انجام دینے کے لیے بھی اس کو وقت میسر آ سکے اس لیے بھی دونوں شعبوں میں اگر کسی طرح قابلیت حاصل بھی کر لی جائے تو بھی لامحالہ کسی ایک

شعبہ کو اپنی خدمات کے لیے مخصوص کرنا پڑے گا اور اسی شعبہ میں اس کو مہارت وتجربہ بھی حاصل ہو سکے گا، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر ملک وملت کی بقاء اور اسلام اور اسلامیت کے تحفظ کے لیے دینی مدارس کا تشخص اور ان کا موجودہ علیحدہ نظام اور طریق تعلیم قائم رہنا بہت ضروری ہے تا کہ ان میں قانون اسلام کے ایسے ماہرین پیدا ہوتے رہیں جو تمام عمر یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہ کر دین کے شعبہ میں کام کرتے رہیں اور اپنی خدمات کے لیے اسی دین کے شعبہ کو مخصوص کرلیں۔

اگر قیام پاکستان کے فوراً ہی بعد سرکاری مدارس کے نصاب میں یہ نہایت ضروری تبدیلی کردی ہوتی کہ علوم اسلامیہ کو نہ صرف شامل کرلیا جاتا بلکہ ان کو مقصد اور اولیت کا درجہ بھی دیدیا جاتا تو اب حکومت کی طرف سے جو عدالت عالیہ کے جج صاحبان کو کسی قانون کے خلاف شریعت اسلامیہ ہونے کی صورت میں اس کو منسوخ کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہے مشکل پیش نہ آتی، اور یہ سوال کھڑا نہ ہوتا کہ جب ہمارے قابل احترام عدلیہ کے جج صاحبان کو اسلامی قوانین سے کما حقہ واقفیت ہی حاصل نہیں ہے تو وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کیسے کریں گے اور یہ اختیار دے کر ان کو ایک گونا مشکل اور آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے، بلکہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اختیار دے کر ان جج صاحبان کو ایسے کام کے انجام دینے کی ذمہ داری سونپ دی گئی جو بحالت موجودہ

ان کی صلاحیت کے دائرہ کار سے باہر اور حدودِ عمل سے خارج ہے اور کسی بھی شخص کو کسی ایسے عمل کی تکلیف دینا جس کی انجام دہی کی صلاحیت اس نے حاصل نہ کی ہو تکلیف مالا یطاق میں داخل ہے، اگر کوئی صاحب اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ قانون ملکی کے ماہرین ہونے کے ساتھ ہمارے فاضل جج صاحبان کو قانون شریعت کے اندر بھی مہارت کا درجہ حاصل ہے تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ قوانین شریعت کا با قاعدہ استاذوں سے علم حاصل کیے بغیر انگریزی اردو ترجموں کو دیکھ کر یا عربی زبان کی واقفیت کے بل بوتے پر مہارت کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص ملکی قوانین کا اردو انگریزی میں مطالعہ کر کے ان تجربہ کار جج صاحبان کے مقابلہ میں دعویٰ کرنے لگے کہ میں بھی ملکی قوانین کا ماہر ہوں جن کی عمروں کا اکثر و بیشتر حصہ ملکی قوانین کے با قاعدہ حاصل کرنے اور ماہرین قانون اور تجربہ کاروں کے ساتھ مدتوں کام سیکھنے میں گزرا ہے۔

کسی بھی عقل مند شخص کے نزدیک صرف مطالعہ سے حاصل شدہ معلومات کو معیاری درجہ کا علم قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اس کی بنیاد پر عدالتی فیصلوں کی اجازت دے کر کرسیٔ عدالت اس کے سپرد کی جا سکتی ہے؟

آخری گزارش

مقصد یہ ہے کہ ملک کی ضروریات میں جس طرح یہ بات داخل ہے کہ ہر شعبہ اور فن کے ماہرین کی جماعت ملک میں ہو اور ان کے لیے الگ الگ کالج

قائم ہیں اسی طرح دینی مدارس کا اپنے خاص نصاب کے ساتھ باقی رکھنا بھی ملک
وملت کی ایک مذہبی ضرورت اور اہم فریضہ ہے۔اب اگر مروجہ نصاب کے ساتھ
کسی کے نزدیک یہ دینی مدارس کسی قسم کی ہمدردی یا تعاون وامداد کے حقدار نہیں
ہیں اور اس کے نزدیک ان کا علیحدہ تشخص بھی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ ان مدارس
کے مستحق تعاون اور نظر عنایت کے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کے
نصاب میں مروجہ فنون کی پیوند کاری بھی ضروری ہے تو ہماری گزارش ہے کہ اس
پیوند کاری سے دینی مدارس کی مقصدی افادیت کو نقصان پہنچانے کی اس کوشش
سے ان کو معاف رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں